

(C) جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب : جگر مراد آبادی
 ترتیب و تہذیب : ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی
 سال اشاعت : ۲۰۱۴ء
 تعداد : ایک ہزار
 صفحات :
 کمپیوٹر کمپوزنگ : شاہد اختر، حرا کمپیوٹرس، مالنگاؤں
 طباعت : شارپ آفیسٹ پریس، مالنگاؤں
 قیمت :

----- Publisher -----

Rahmani Publication

1032, Islampura, Malegaon-423203 (Dist-Nasik)

Mob : 9890801886 / (02554)234460

(C) All rights reserved with Publisher.

جگر مراد آبادی

(شخصیت، شاعری اور منتخب غزلیں)

ترتیب و تہذیب

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

----- پبلشر -----

رحمانی پبلیکیشنز

1032 انصار روڈ، ڈاکٹر سراج احمد کے دواخانے کے سامنے، اسلامپورہ، مالنگاؤں،

Mob : 9890801886 / (02554)234460 مہاراشٹر 423203

لہذا کلاسیکل شعرا کے تعارف اور ان کے منتخب کلام پر مشتمل یہ سیریز پیش کی جا رہی ہے۔ تاریخی شخصیات سیریز کی طرح مرتبین کے تبصرے و تجزیے پر آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں، لیکن اس سلسلے کی اہمیت کا انکار شاید نہ کر سکیں۔ ضروری نہیں کہ مرتبین کے تمام تبصروں اور تجزیوں سے ہمارا ادارہ اتفاق رکھے۔ بہر کیف سبھی مرتبین مبارکباد کے مستحق ہیں۔

شاعروں اور ادیبوں میں چند قابل ذکر امیر خسرو، داغ دہلوی، مولانا اسماعیل میرٹھی، امیر مینائی، مولانا حسرت موہانی، آتش لکھنوی، فانی بدایونی وغیرہ ہیں۔

ہمارے ادارے نے اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت اور وطن عزیز کے نو نبالان کے لیے اردو کے گراں قدر جواہر پاروں کو شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ لہذا سرپرست و اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کے ہاتھوں تک ان کتابوں کو پہنچائیں اور انہیں ان کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں، تاکہ نئی نسل بھی اردو کے کلاسیکل شاعروں اور ان کے کلام سے واقف ہو سکے۔

ناشر

عرض ناشر

رحمانی پبلی کیشنز مال گاؤں اب محتاج تعارف نہیں رہا جس نے ادب اطفال پر مختصر سے عرصے میں سیکڑوں کتابیں شائع کیں اور انہیں ملک بھر میں پھیلادیا اس ادارہ نے ہندوستان کے مشہور و معروف قلم کاروں اور ادیبوں کی کتابیں شائع کیں اور مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں طبع کیں۔ مزید یہ کہ تاریخی شخصیات پر بھی بچوں کے معیار کے مطابق کتابیں شائع کرنے کا بیڑہ بھی اٹھا رکھا ہے۔ تاریخی شخصیات میں بہت سی شخصیات پر یا تو بہت ضخیم کتابیں دستیاب ہیں یا پھر بہت سی اہم شخصیات کے متعلق انتہائی مختصر تذکرے ملتے ہیں۔ ہمارے ادارے نے ملک بھر کے نامور قلم کار اور ماہر ادیبوں سے رابطہ کیا۔ اور منتخب شخصیات پر لکھنے کی ذمہ داری ڈالی۔ الحمد للہ! بہت کم عرصے میں اب تک سیکڑوں شخصیات پر کتابیں منظر عام پر لائی گئیں۔ اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اردو ادب بالخصوص زبان کی خدمت کرنے والے ہمارے ماضی کے شعرا و ادباء کی حیثیت تاریخی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے۔ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے اپنی نظموں، غزلوں، گیتوں، کہانیوں، افسانوں اور مضامین کے ذریعے اردو زبان و ادب کے فروغ میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ جگ ظاہر ہے۔ ادارے نے یہ طے کیا ہے کہ تاریخی شخصیات سیریز کے ذیل میں ایک ضمنی کڑی شروع کرتے ہوئے ان شاعروں اور ادیبوں کے تعارف اور ان کے منتخب کلام کو بھی منظر عام پر لایا جائے۔

جگر کی شخصیت

جگر ایک عظیم شاعر ہونے کے باوجود ایک بڑے انسان پہلے اور ایک بڑے شاعر بعد میں تھے۔ شاعری ان کی شخصیت نہیں تھی بلکہ ان کی شخصیت شاعری پر حاوی تھی۔ جگر منکسر المزاج، غیور، مہذب، بااخلاق، پُرخلوص، درد مند، دوست نواز اور ایثار پیشہ انسان تھے۔ ایک بڑے شاعر ہونے کی سب سے بڑی نشانی یہی تھی کہ بہ حیثیت انسان ان کا درجہ بہت ہی اعلیٰ و ارفع تھا، وہ کہتے ہیں ع

میں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم
یہ سچ ہے کہ وہ اپنے اس مصرع کی زندہ تفسیر تھے۔ انھوں نے ایک جگہ خود اپنے کمال شاعری کی یوں تشریح کی ہے ۔

میرا کمال شعر بس اتنا ہے اے جگر

وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

اعتدال اور شائستگی ان کی رگ رگ میں پیوست تھی وہ ہمیشہ موقع محل دیکھ کر شراب پیتے تھے اور اپنی اس کمزوری پر انھوں نے کبھی فخر نہیں کیا۔ وہ مے نوشی کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ اور دوسروں کو اس سے بچنے کی تلقین بھی کرتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ وہ اپنی اس عادت کو ترک کرنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ اور ایسے کامیاب ہوئے کہ دوسرے اس سے سبق لے سکتے ہیں۔

جگر مذہب پسند تھے لیکن وہ کبھی زاہد خشک نہ بنے وہ اپنی پسند اور ناپسند کا لحاظ بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے کبھی ناقد بننے کی کوشش نہیں کی اور ہمیشہ بحث و تکرار سے اجتناب کیا انھوں نے دوسروں کے حفظ مراتب کا بھرپور خیال رکھا۔ لیکن خود کبھی اپنے مرتبے کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ برے مخیر اور شاہ خرچ تھے کافی آمدنی کے باوجود وہ زیادہ تر خالی ہاتھ رہتے تھے اور کبھی کسی سے امداد نہیں چاہتے تھے۔ اپنے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کا لحاظ کرنے میں وہ اپنی مثال آپ

جگر مراد آبادی۔ شخصیت اور شاعری

(پیدائش: 1898 وفات: 1960ء)

شہنشاہ تغزل جگر کا نام شیخ محمد علی سکندر اور جگر تخلص تھا۔ والد کا نام نظر علی تھا جو خود اچھے شاعر تھے۔ اس زمانے کے جانے مانے شعرا میں ان کا شمار ہوتا تھا اور ان کا ایک دیوان بھی شائع ہوا تھا۔ پروفیسر وہاب اشرفی اور پروفیسر سیدہ جعفر نے اپنی تصنیف میں جگر کو پدم بھوشن یافتہ بھی قرار دیا ہے۔ ان کا خاندان مذہبی تھا۔ جگر کے مورث اعلیٰ مولوی محمد سمیع فرخ سیر کے استاد تھے۔ فرخ سیر کی وفات کے بعد ان کا خاندان ہجرت کر کے ریاست اتر پردیش کے شہر مراد آباد گیا۔ یہیں جگر نے 6 اپریل 1998ء کو آنکھ کھولی۔ آپ بیسویں صدی کے اردو کے مشہور شاعروں میں سے ایک ہیں۔ آپ کو سب سے زیادہ نظمیں جمع کرنے پر ایوارڈ بھی ملا۔ آپ کم سن ہی تھے کہ اُن کے والد انتقال کر گئے۔ آپ کا بچپن مصائب و آلام میں بسر ہوا۔ جگر لکھنؤ کے اسٹینلی اسکول میں پڑھتے تھے۔ نویں جماعت میں دومرتبہ فیل ہوئے۔ فیل ہونے کے بعد باضابطہ حصول تعلیم سے دستبردار ہو گئے۔ آپ نے مدرسے سے اردو اور فارسی سیکھی۔ شروع میں آپ نے شاعری میں رسہ را مپوری کو استاذ بنایا۔ آپ غزل گوئی کے میدان میں منفرد شناخت کی وجہ سے شہنشاہ تغزل کہلاتے ہیں۔ شہنشاہ تغزل جگر مراد آبادی نے 9 ستمبر 1960ء کو گوندہ میں آخری سانس لیں۔ غزل کے اس کلاسیکی شاعر کو اردو شاعری کی تاریخ میں ہمیشہ سنہرے الفاظ میں یاد کیا جاتا رہے گا۔

تھے۔ بچوں سے گھل مل کر باتیں کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔

فرد سے انجمن تک، غم ذات سے غم حیات تک، میخانہ سے حرم تک، داغ جگر سے آتش گل تک، جگر کا سفر ایک حساس انسان کے ذہنی ارتقا کی داستان ہے وہ ہر لمحہ وقت سے قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جگر نئے خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے خوابوں کے مطابق ماحول کو بدلنے کی شدید آرزو رکھتے ہیں زندگی اور شاعری کے سلسلے میں ان کے اسی رویے میں شاید ان کی انفرادیت کا راز پوشیدہ ہے۔

جگر کی شاعری

ظاہر ہے کہ جمالیات حیات و کائنات کی بصیرت و حسیت رکھنے والا انسان خشک سانسی صداقت اور نکٹالوجی و ہندسوں کے فارمولوں و اصولوں سے دلچسپی نہیں رکھتا۔ اس کی نظر صرف خوبصورتی کی جستجو میں رہتی ہے۔ جگر کے ایک جاننے والے عاقل نام کے شخص کا چشموں کا کارخانہ تھا۔ جگر اس کارخانے کے ایجنٹ ہو گئے اور چشمہ فروشی کا پیشہ اختیار کیا۔ جگر کا اپنے کام کے سلسلے میں بنارس سے لے کر اعظم گڑھ تک دورہ ہوتا۔ وہ اعظم گڑھ مسلم مسافر خانے میں ٹھہرتے پھر ان کی دوستی مرزا احسان بیگ سے ہو گئی اور جگر مرزا صاحب کے گھر ٹھہرنے لگے۔ مرزا صاحب خود اچھے شاعر تھے۔ دونوں میں خوب جہتی تھی۔ جگر اعظم گڑھ کی شعری محفلوں میں بہت مقبول تھے۔ عربی اور فارسی میں اچھی صلاحیت کے مالک تھے۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ تیرہ چودہ برس کی عمر میں شاعری کرنے لگے تھے اور اپنے والد سے اصلاح لیتے تھے۔ داغ دہلوی اور منشی امیر اللہ تسلیم نے جگر کی شاعری کو مزید جلا بخشی۔ غیر منظم زندگی اور انتشار ذہنی کے باعث نشیب و فراز کے مختلف مراحل سے دو چار ہوئے۔ آگرہ میں وحید بیگم سے شادی اور پھر مفارقت کا مرحلہ بھی آیا۔ دوسرا عقد نسیم سے ہوا۔ جگر کا یہ دور بلا نوشی کا دور تھا۔ نسیم سے شادی ترک

مے نوشی کی شرط پر ہوئی تھی۔ لہذا جگر نے بادہ کشی سے توبہ کر لی۔ ان کی زندگی میں ایک انقلاب آیا۔ صوم و صلاۃ کے پابند ہو گئے۔ اصغر گونڈوی کے کہنے پر شاہ عبدالغنی منگھوری سے بیعت کر لی۔ اصغر گونڈوی، جگر کے محسنوں میں سے تھے لیکن دونوں کے شعری مزاج میں فرق تھا۔ اصغر گونڈوی کا میلان تصوف کی طرف تھا۔ ۱۹۵۳ء میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ جگر کی شررنگار اور خمریہ شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔ مشاعرے میں ان کی شرکت کامیابی کی ضامن ہوتی۔ ترنم میں شعر پڑھنا اور سامعین کی داد و تحسین اور مکرر ارشاد کے ہنگاموں سے محفل مشاعرہ گونج اٹھتی۔ مصرعوں میں لفظوں کا استعمال شگفتہ و شستہ طرز ادا اور روانی سے خیالات و تجربات کی ترسیل میں لمحہ بھر کی رکاوٹ نہیں آتی۔ اسٹیج پر بیٹھے دوسرے شعرا جگر کی مقبولیت سے پریشانی محسوس کرتے۔ پدم بھوشن کا خطاب، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند، مجموعہ آتش گل پر ساہتیہ اکادمی کا انعام اور دولت ہند کی جانب سے تاحیات پنشن کا وقار بھی ملا۔

”داغ جگر“، ”شعلہ طور“ اور ”آتش گل“ کے اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ جگر کے نزدیک حاصل کائنات اور حقیقت کائنات محض حسن ہے۔ اسی لیے حسن و جمال کے دیدار، حسینوں کی عشوہ طرازیوں، پھولوں کی مہک اور بلبل کی چمک میں جگر یکسر گم ہو جاتے ہیں اور ان کا یہ عمل انھیں مجاز کے راستے حقیقت اور صورت سے معنی کے طریق و مسلک پر نہیں لے جاتا بلکہ وہ حسن و جمال سے مسحور اور جلوہ صدر رنگ کے افسوں سے متاثر ہو کر عشق و محبت کا نغمہ تخلیق کرتے ہیں اور درد بھری آواز میں سامعین تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔ ”داغ جگر“ اور ”شعلہ طور“ کی غزلیں کلاسیکی استعارات و تشبیہات اور تغزل سے بھرپور ہیں، زندگی کا احترام، آدمیت کی قدر اور حسن کی سرشاری و مستی سے مملو ہیں۔

جگر کا نظریہ تغزل

غزل، تغزل، کلام میں سوز و گداز، شعر خوانی کا انداز، موسیقیت، نغمہ ریزی اور دل کو چھو

جانے والا ترنم جگر کی اصل پہچان ہے۔ تاہم ایسا نہیں کہ ان کی شاعری درس حیات اور نکات اخلاق سے خالی ہے۔ جگر کی شاعری کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو ان کی شاعری اور زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور شراب و شباب اور رندی و مستی کا دور ہے جس میں جگر ذکر حسن و عشق اور بزمِ مے گساری میں گھرے رہتے۔ ان کا خیال تھا کہ ے

اگر نہ زہرہ جینوں کے درمیاں گزرے

تو پھر یہ کیسے کئے زندگی کہاں گزرے

ایسے اسلوب و طرز کی شاعری کرنے والا شاعر امتدادِ زمانہ کے اثر سے نہیں بچتا۔ آزادی کے بعد کے اثرات، ہجرت، خوں ریزی، قیامت خیز تباہی اور خاک و خون میں تڑپتی انسانیت اور دم توڑتی مشترکہ تہذیب نے جگر کی سرمستیوں کو صدمہ پہنچایا۔ آتش گل جگر کے اسی ذہنی تغیر و انقلاب کی تخلیق ہے جو انسانیت سے حد درجہ محبت کی دلیل ہے۔ اسے ہم جگر کے دوسرے دور کی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ ایسے ہی ماحول اور ایسی ہی فضا میں جگر کی تڑپ نے پکارا ے

فکر جمیل خواب پریشاں ہے آج کل

شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں ہے آج کل

سلامت تو، تیرا میخانہ تیری انجمن ساقی

مجھے کرتی ہے اب کچھ خدمت دار و رس ساقی

جگر کی شاعری ویسے تو موضوعات کے لحاظ سے رندی و سرمستی، تصوف و حکمت آموزی، ترنم و موسیقی، مسائلِ حیات، معاملاتِ حسن و عشق اور الفت کے مسائل پر مشتمل ہے۔ لیکن ان کی مقبولیت کا راز ان کا خلوص اور مخصوص زاویہ حیات اور نظریہ حسن و تغزل ہے مناسب الفاظ و محاورات کا بر محل استعمال دبستانِ لکھنؤ کی خصوصیت ہے جو جگر کے کلام میں دکھائی دیتی ہے ے

یوں ہی تکمیل غمِ عشق ہوا کرتی ہے
اس کی قسمت میں ہوں جو مری قسمت میں نہیں
وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں
مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے

جگر کا تصور عشق

جگر کے کلام میں حسن و عشق کے سلسلے میں وہ تمام رجحانات ملتے ہیں جو اردو شاعری میں رائج رہے ہیں۔ یعنی محبوب سے وصل کی خواہش کا اظہار کرنا۔ اس کی بے وفائی سے نالاں ہونا اور اس پر طنز بھی کرنا۔ جگر نے اس ضمن میں محبوب سے گفتگو کرتے ہوئے زبان کی صفائی اور الفاظ کے جوہر بکھیرے ہیں۔ اپنی ناکامی و نامرادی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے یہاں محبوب کا سراپا واضح طور پر ابھرتا ہے۔ لیکن جگر اپنے محبوب کے جسمانی حسن کے ذکر میں کوئی خاص دل چسپی نہیں دکھاتے لیکن حسن سے متاثر ہونے کی ایک دلیل ان کے یہاں ضرور ملتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جگر کے یہاں حسن کو وہ اہمیت نہیں جو عشق کو ہے۔ عشق کے مقابلے میں حسن جگر کی شاعری میں ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی رجحان کے سبب جگر کے کلام میں محبوب کے خدو خال نمایاں نہیں ہو سکے۔ اور عشق کا جذبہ ہر شے کو محیط ہو گیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جگر کے یہاں خود محبوب بھی عشق کی گرمی سے متاثر ہے۔ گویا شاعر نے عشق کو اس حد تک پھیلا دیا ہے کہ خود حسن بھی اس کی زد میں آ گیا ے

محبت کے جلوے نہیں حسن سے کم

انھیں بھی مرے ساتھ حیرانیاں ہیں

عشق کی بے نیازیاں بن کر

حسن کو بے قرار کرتا ہوں

اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں
میری آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

جگر اس بات کے آرزو مند ہیں کہ عشق کی ان کی زندگی کا حاصل بن جائے۔ اور اس منزل کی تلاش میں انھوں نے اپنے دل کے صحرا میں دشتِ نوردی کی ہے اسی میں جگر کی انفرادیت ہے اور یہی بات انھیں زندہ جاوید کر دینے کے لئے کافی ہے۔

جگر کی انفرادیت

جدید شاعروں میں جگر طرزِ نو اپنانے والوں میں سرِ فہرست ہیں ان کی غزل میں مخصوص لب و لہجہ اور بے پناہ خلش پائی جاتی ہے۔ ان کے کلام میں جا بجا جذبہ استقامت بھی کارفرما ہے۔ جگر پہلے شاعر ہیں جو محبت اور محبوب کی ہستی کو ایک لازمی انسانی تعلق کے لیے ذریعہ بتاتے ہیں۔ محبوب، معصومیت، احترامِ محبوب، پاکیزگیِ عصمت، احساسِ محبت یہ تمام قدیم اقدار ہمیں ورثے میں ملے ہیں۔ لیکن ان ہی اقدار کا اظہار جب جگر کرتے ہیں تو ان کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ اور ان قدیم روایات میں ایک زندہ اور نئی روح دوڑنے لگتی ہے۔ ان کے کلام میں انسانی روح کا کرب اور بے چینی محسوس نہیں ہوتی۔ جگر بھی عشق کی بے راہ روی سے ضرور خائف ہیں انھوں نے غم کے دوران جس توازن سے کام لیا ہے وہ اپنے مخصوص رنگ میں منفرد ہے۔ ان کا کلام زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ سادگی، روانی، دل کشی اور تسلسل جگر کا خاص حصہ ہے۔

بتاؤ کیا تمہارے دل پہ گزرے
اگر کوئی تمہیں سا بے وفا ہو
اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس
درد ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

مناسب شوقی، الفاظ کی تکرار، محبوب کا سراپا، یہ تمام چیزیں میر، غالب، مومن اور حسرت

سے جگر کو ورثے میں ملی۔ ان کی نگاہ میں حسن کی بڑی قیمت ہے۔ ان کا دل لذتِ عشق سے سرشار ہے۔

شبابِ مے کش، چالِ مے کش، خیالِ مے کش، نگاہِ مے کش
خبروہ رکھیں گے کیا کسی کی انھیں خود اپنی خبر نہیں ہے
تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں
میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا
دل میں کسی کے راہ کیے جا رہا ہوں میں
کتنا حسین گناہ کیے جا رہا ہوں میں

جگر اپنے عہد کا ترجمان

جگر کی غزلیں حسن و عشق کا پیکر ہیں۔ جن میں سوز و گداز، درد و غم، خلوص و محبت، تڑپ اور کسک، شدتِ جذبات کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن ان غزلوں میں صرف حسن و عشق ہی کا بیان نہیں ملتا بلکہ ان میں اشارے کنایوں میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ بھی جگر نے مختلف طریقوں سے کیا ہے۔ کہیں اپنے وطن کی حالتِ زار پر آنسو بہائے ہیں تو کہیں آزادی کے جذبات پیدا کیے ہیں۔ کہیں رہبرِ ان قوم کی خود غرضیوں کا ذکر ہے تو کہیں اپنے وطن پر اپنا حق ثابت کیا ہے۔

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر
کوئی مصلحت روک دیتی ہے ورنہ
پلٹ دیں زمانے کو جی چاہتا ہے
جو طوفانوں میں پلٹے جا رہے ہیں
وہی دنیا بدلتے جا رہے ہیں

جگر کا کلام اپنے عہد کا آئینہ دار ہے۔ جگر کے سینے میں ایک ایسا دل بھی تھا جس میں اپنے وطن کی محبت بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنے وطن کو خوش حال دیکھنا چاہتے تھے۔ جس ملک کو انھوں نے اپنے خون جگر سے پیچ کر سرسبز و شاداب کیا آزادی کے بعد اُسی ملک کو ان کا نہ سمجھا جائے اور ان پر غداری کا الزام عائد کیا جائے کوئی بھی محب وطن اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ۱۹۴۷ء کی ہولناکیوں کے بعد ان کے قلب و جگر پر سخت تکلیفیں پہنچیں اور وہ بے ساختہ پکار اٹھے۔

فکر جمیل خواب پریشاں ہیں آج کل
شاعر نہیں ہیں وہ جو غزل خواں ہیں آج کل
انسانیت کہ جس سے عبارت ہے زندگی
انساں کے سائے سے بھی گریزاں ہیں آج کل
شاید تگی کے بھیں میں روح درندگی
انسان کے لباس میں شیطان ہیں آج کل

جگر نے تقسیم ہندو پاک کے سانچے کو سماجی اور خارجی حقائق کی سچی تصویر مانا اور اسے

غزل کے مزاج و فن سے ہم آہنگ کر کے تاریخ کا ایک حصہ بنادیا۔

بھری بہار میں تاراجی چمن مت پوچھ
خدا کرے نہ پھر آنکھوں سے یہ سماں گزرے
کہاں کے لالہ و گل کیا بہار توبہ شکن
کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراثیم کے چمن
صیاد پر ظاہر یہ بھی راز نہیں ہے
پرواز اسیر پر پرواز نہیں ہے
چمن ہی نہیں جس کے گوشے گوشے میں
کہیں بہار نہ آئے کہیں بہار آئے

دنیا اور دنیا کے تمام وسائل، سہولتیں اور علوم سب کے سب انسان کی خدمت ترقی، تہذیب اور تکریم و تعظیم کے لیے ہیں کیونکہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف مخلوق ہے، اس کی تخلیق احسن ساخت میں کی گئی ہے۔ اس لیے زندگی کا احترام، انسانیت و آدمیت کی قدر کو ترجیحی حیثیت حاصل ہے۔ جگر کا سماجی شعور بہت پختہ ہے لیکن انھیں سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ سیاسی پھندوں اور داؤ پیچ سے کوئی لگاؤ نہیں۔ وہ اہل سیاست کے کام نہیں، محبت کے پیغام میں یقین رکھتے تھے۔

جگر، زندگی کے مزاج شناس

جگر نے بالارادہ اردو زبان و ادب کی خدمت نہیں کی، بلکہ ادب برائے حظ و انبساط کے قائل تھے۔ شاعری برائے شاعری، شاعری برائے حسن و عشق اور شاعری برائے زندگی کی ہے۔ ان کے مسلک میں انسان اور زندگی تخلیق کائنات کا محور و مرکز اور مقصد ہے۔ داغ جگر اور شعلہ طور کی غزلیں بادی النظر میں شعر برائے نشاط کی طرف ذہن کو لے جاتی ہیں لیکن بغور تجزیے کے بعد دیکھا جائے تو ان میں بھی زندگی اور تلازمہ حیات کی ترجمانی ہوتی ہے کیونکہ ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کا نکتہ ارتکاز ایک ہی ہے۔ انسانیت کی بقا، ترقی، مسرت و حظ نیز تمام زبانوں اور مضامین، خواہ وہ ادب و سائنس ہو یا جدید ٹیکنالوجی سب کا مقصد و منشا سماج کو مسرت بہم پہنچانا ہے۔ ادب کا افادی نظریہ بھی امن و انصاف اور تسکین قلب و خوشی فراہم کرنا ہے۔ دنیا کو ظلمت سے نکال کر روشنی کی طرف لانا ہے۔

جگر کو معرفت ذات اور عرفان کائنات کے فرق و امتیاز کا شدت سے احساس ہوا۔ جب وہ صرف حسن و عشق اور شراب و شباب کی شاعری کی مستی میں غرق تھے تو اس وقت بھی وہ انجانے طور پر نہیں بلکہ شعوری طور پر کائنات کی خوبصورتی اور نقوش حیات سے ہم کلام ہوتے تھے۔ کیونکہ غالب کے نزدیک سارے نقوش فریادی ہوتے ہیں لیکن انسان دل فطرت شناس سے محروم ہے۔ سکوت لالہ

وگل کی گفتگو سننے کی صفت سے عاری ہے ۔

باہمہ ذوق آگہی ہائے رے پستی بشر
سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر
تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے مگر
دل میں اگر نہیں تو کہیں روشنی نہیں
جگر سچے شاعر، زندگی کے مزاج شناس اور مبصر تھے ۔
وہ ہمیں ہیں کہ جن کے ہاتھوں نے
گیسوئے زندگی سنوارے ہیں

مجموعی جائزہ

جگر کی غزلوں میں ترنم اور موسیقی کا ایک خاص مقام ہے۔ ان کی نغمہ سرائی روح انسانی کا جزو لاینفک ہے۔ جو ان کے اشعار کو تاثر و تاثیر کا طلسم بنا دیتی ہے۔ جگر کے کلام میں خلوص اور سچائی کا جو ہر پنہاں ہے۔ ان کے اشعار میں انسانی درد مندی، حُسن انسانی کی بری خوب صورت تصویریں ملتی ہیں۔ جگر کی شاعری سانس اور لہو کی شاعری ہے۔ حالات نے جگر کو برا شاعر نہیں بننے دیا لیکن بڑا انسان ضرور بنا دیا۔ ان کی شاعری میں حسن ہے رنگ ہے نور ہے۔ اگرچہ ان کے یہاں شاعری کی عظمت نہیں لیکن شاعری میں جگر کا ایک مقام ضرور ہے۔

لیجیے شہنشاہِ تغزل جگر مراد آبادی کی شخصیت اور شاعری کے اس مختصر تجزیے کے بعد آئندہ صفحات پر ان کی منتخب غزلیں نشانِ خاطر کریں۔

(ڈاکٹر) مشاہد رضوی، مالِیگاؤں

+919420230235 / +919021761740

☆☆☆

☆☆☆

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
بھول جاتا ہوں میں ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے
آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے
سلسلہ فتنہ قیامت کا
تیری خوشقامتی سے ملتا ہے
مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے
کاروبار جہاں سنورتے ہیں
ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے
روح کو بھی مزہ محبت کا
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے

☆☆☆

حب ہر اک شورشِ غم ضبطِ فگاں تک پہنچے
پھر خدا جانے یہ ہنگامہ کہاں تک پہنچے
آنکھ تک دل سے نہ آئے نہ زباں تک پہنچے
بات جس کی ہے اسی آفت جاں تک پہنچے
کیا تعجب کہ مری روح جواں تک پہنچے
پہلے کوئی مرے نغموں کی زباں تک پہنچے

حسن کے نغمے بھی خاموش زباں تک پہنچے
اب ترے حوصلے اے عشق یہاں تک پہنچے
میرے اشعار میں جو آگ بھری ہے اے کاش!
تجھ کو راس آئے، ترے غم جواں تک پہنچے
رہ عرفاں میں اک ایسا بھی مقام آتا ہے
ہر یقیں بڑھ کے جہاں وہم و گماں تک پہنچے
اُف وہ کیفیتِ غم، آنکھ جسے دیکھ سکے!
ہائے وہ درد کی لذت جو زباں تک پہنچے
جو زمانے کو برا کہتے ہیں خود ہیں وہ بُرے
کاش یہ بات ترے گوشِ گراں تک پہنچے
ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
مرا پیغامِ محبت ہے جہاں تک پہنچے
جلوے بے تاب تھے جو پردہ، فطرت میں جگر
خود تڑپ کر مری چشمِ نگراں تک پہنچے

☆☆☆

رکھتے ہیں خضر سے نہ غرض رہنما سے ہم
چلتے ہیں بچ کے دور ہر اک نقشِ پا سے ہم
مانوس ہو چلے ہیں جو دل کی صدا سے ہم
شاید کہ جی اٹھے تری آوازِ پا سے ہم
یارب نگاہِ شوق کو دے اور وسعتیں
گھبرا اٹھے جمالِ جہت آشنا سے ہم
مخصوص کس کے واسطے ہے رحمتِ تمام

پوچھیں گے ایک دن یہ کسی پارسا سے ہم
او مستِ نازِ حسن تجھے کچھ خبر بھی ہے
تجھ پہ نثار ہوتے ہیں کس کس ادا سے ہم
یہ کون چھا گیا ہے دل و دیدہ پر کہ آج
اپنی نظر میں آپ ہیں نا آشنا سے ہم

☆☆☆

نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں
ہم اُن میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں
شروعِ راہِ محبت، ارے معاذ اللہ
یہ حال ہے کہ قدم ڈمگائے جاتے ہیں
یہ نازِ حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر
نظر ملاتے نہیں، مسکرائے جاتے ہیں
مرے جنونِ تمنا کا کچھ خیال نہیں
لبائے جاتے ہیں، دامن چھڑائے جاتے ہیں
جو دل سے اُٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن کر
تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں
میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی
تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں
رواں رواں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال
کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں
کہاں منازلِ ہستی، کہاں ہم اہل فنا
ابھی کچھ اور یہ تہمت اُٹھائے جاتے ہیں

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں
الٰہی ترکِ محبت بھی کیا محبت ہے
بھلاتے ہیں انہیں، وہ یاد آئے جاتے ہیں
سنائے تھے لبِ نے سے کسی نے جو نغمے
لبِ جگر سے مکرر سنائے جاتے ہیں

☆☆☆

نیاز عاشقی کو ہم ناز کے قابل سمجھتے ہیں
ہم اپنے دل کو بھی اب آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں
عدم کی راہ میں رکھا ہی ہے پہلا قدم میں نے
مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں
قریب آ آ کے منزل تک پلٹ جاتے ہیں منزل سے
نہ جانے دل میں کیا آوارہ منزل سمجھتے ہیں
الٰہی ایک دل ہے، تو ہی اس کا فیصلہ کر دے
وہ اپنا دل سمجھتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

☆☆☆

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
جب تک ہمارے پاس رہے، ہم نہیں رہے
یارب کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو
دستِ جنوں رہے نہ رہے، آستیں رہے
دردِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے
حیراں ہوں میں کہ پھر بھی تم، اتنے حسین رہے

جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر
اے عشق! ہم تو اب تیرے قابل نہیں رہے
اللہ رے چشمِ یار کی معجز بیاباں
ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے
اس عشق کی تلافی ما بعد دیکھنا
رونے کی حسرتیں ہیں جب آنسو نہیں رہے

☆☆☆

درد بڑھ کر فغاں نہ ہو جائے
یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے
دل میں ڈوبا ہوا جو نشتر ہے
میرے دل کی زباں نہ ہو جائے
دل کو لے لیجیے جو لینا ہے
پھر یہ سودا گراں نہ ہو جائے
آہ کیجیے مگر لطیف ترین
لب تک آ کر دھواں نہ ہو جائے

☆☆☆

کسی صورت نمودِ سوز پہچانی نہیں جاتی
بجھا جاتا ہے دل چہرے کی تابانی نہیں جاتی
صداقت ہو تو دل سینے سے کھینچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی
جلے جاتے ہیں بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی

یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی
محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی
جگر وہ بھی از سرتا پا محبت ہی محبت ہیں
مگر ان کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی

☆☆☆

طبیعت ان دنوں بیگانہ غم ہوتی جاتی ہے
میرے حصے کی گویا ہر خوشی کم ہوتی جاتی ہے
قیامت کیا یہ، اے حسنِ دو عالم! ہوتی جاتی ہے
کہ محفل تو وہی ہے دلکشی کم ہوتی جاتی ہے
وہی میخانہ و صہبہا، وہی ساغر، وہی شیشہ
مگر آوازِ نوشا نوش مدہم ہوتی جاتی ہے
وہی ہے شاہد و ساقی مگر دل بجھتا جاتا ہے
وہی ہے شمع لیکن روشنی کم ہوتی جاتی ہے
وہی ہے زندگی لیکن جگر یہ حال ہے اپنا
کہ جیسے زندگی سے زندگی کم ہوتی جاتی ہے

☆☆☆

دنیا کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد
میں شکوہ بلب تھا مجھے یہ بھی نہ رہا یاد
شاید کہ مرے بھولنے والے نے کیا یاد

چھیڑا تھا جسے پہلے پہل تیری نظر نے
اب تک ہے وہ اک نغمہ بے ساز و صدا یاد
کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
کیجیے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد
جب کوئی حسین ہوتا ہے سرگرمِ نوازش
اس وقت وہ کچھ اور بھی آتے ہیں سوا یاد
کیا جانے کیا ہو گیا اربابِ جنوں کو
مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد
میں ترکِ رہ و رسم جنوں کر ہی چکا تھا
کیوں آگئی ایسے میں تری لغزشِ پا یاد
مدت ہوئی اک حادثہ عشق کو لیکن
اب تک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد

☆☆☆

ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو محشر میں کیا ہوگا
سب اس کو دیکھتے ہوں گے، وہ ہم کو دیکھتا ہوگا
سر محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا
درِ جنت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا
جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہو گا فیصلہ ہوگا
یہ کیا کم ہے ہمارا اور اُن کا سامنا ہوگا
ازل ہو یا ابد دونوں اسیر زلفِ حضرت ہیں
جدھر نظریں اٹھاؤ گے، یہی اک سلسلہ ہوگا
یہ نسبت عشق کی بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی

جو محبوب خدا ہو گا، وہ محبوب خدا ہو گا
اسی امید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں
خوشا دردے کہ تیرا درد، دردِ لا دوا ہو گا
نگاہِ تہر پر بھی جان و دل سب کھوئے بیٹھا ہے
نگاہِ مہرِ عاشق پر اگر ہو گی تو کیا ہو گا
یہ مانا بھیج دے گا ہم کو محشر سے جہنم میں
مگر جو دل پہ گزرے گی، وہ دل ہی جانتا ہو گا
سمجھتا کیا ہے تو دیوانگاہِ عشق کو زاہد؟
یہ ہو جائیں گی جس جانب، اسی جانب خدا ہو گا
جگر کا ہاتھ ہو گا حشر میں اور دامنِ حضرت
شکایت ہو گا، شکوہ جو بھی ہو گا، برملا ہو گا

☆☆☆

یہ مصرع کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو، مرنے کے لئے تیار ہو جائے
وہی مے خوار ہے، جو اس طرح مے خوار ہو جائے
کہ شیشہ توڑ دے اور بے پئے سرشار ہو جائے
دلِ انساں اگر شائستہ اسرار ہو جائے
لبِ خاموشِ فطرت ہی لبِ گفتار ہو جائے
ہر اک بے کاری ہستی بہ روئے کار ہو جائے
جنوں کی رُوحِ خوابیدہ اگر بیدار ہو جائے
سنا ہے حشر میں ہر آنکھ اُسے بے پردہ دیکھے گی
مجھے ڈر ہے، نہ توہینِ جمالِ یار ہو جائے

حریمِ ناز میں اس کی رسائی ہو تو کیوں کر ہو؟
کہ جو آسودہ زیر سایہ دیوار ہو جائے؟
معاذ اللہ، اس کی وارداتِ غم، معاذ اللہ
چمن جس کا وطن ہو، اور چمن بیزار ہو جائے
یہی ہے زندگی تو زندگی سے خودکشی اچھی
کہ انساں عالمِ انسانیت پر بار ہو جائے
اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھر تھرا اٹھے
نظر تلوار بن جائے، نفس جھنکار ہو جائے
یہ روز و شب، یہ صبح و شام، یہ بستی، یہ ویرانہ
سبھی بیدار ہیں انساں اگر بیدار ہو جائے

☆☆☆

وہ حسنِ کافر اللہ اکبر
تخریبِ دوراں، آشورِ محشر
وہ قدِ رعنا، وہ روئے رنگیں
عالم ہی عالم، منظر ہی منظر
گیسو و عارض، شانہ بہ شانہ
شامِ معطر، صبحِ منور
شرمائیں جن سے ساون کی راتیں
وہ حلقہ ہائے زلفِ معبر
وہ مست نظریں جب اٹھ گئی ہیں
ٹکرا گئے ہیں ساغر سے ساغر
گفتار شیریں، رفتارِ نازک
خیام و حافظ، تسنیم و کوثر

کشور کُشائے دل ہائے خواہاں
فرمانروائے جاں ہائے مضطر
شہکارِ فطرت، اعجازِ قدرت
تعبیرِ خوابِ مانی و آذر
گفتارِ مبہم، اجمالِ ہستی
رفقارِ برہم، تفسیرِ محشر
وہ بزمِ خلوت، وہ طرفِ گلشن
وہ دستِ سمیں، وہ جامِ احمر
وہ حسنِ رقصاں، وہ جسمِ لرزاں
وہ عشقِ حیراں، وہ شوقِ مضطر
جانِ توجہ، روحِ تغافل
عریاں تبسم، پوشیدہ نشتر
وہ امتزاجِ شرم و شرارت
وہ احتیاطِ آداب پرور
وہ موسمِ گل، وہ شیشہ و مل
وہ کیف و مستی، وہ رُت وہ منظر
نغمہ ہی نغمہ، خوشبو ہی خوشبو
صہبا ہی صہبا، ساغر ہی ساغر

☆☆☆

زندگی ہے مگر پرانی ہے
مرگِ غیرت! تری دہائی ہے

جب مسرت قریب آئی ہے
غم نے کیا کیا ہنسی اڑائی ہے
حسن نے جب شکست کھائی ہے
عشق کی جان پر بن آئی ہے
عشق کو زعمِ پارسائی ہے
حسنِ کافر! تری دہائی ہے
ہائے وہ سبزہ چمن کہ جسے
سایہ گل میں نیند آئی ہے
عشق ہے اس مقام پر کہ جہاں
زندگی نے شکست کھائی ہے
خاکِ منزل کو منہ سے ملتا ہوں
یادگارِ شکستہ پائی ہے
اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے، کیا رہائی ہے
ہجر سے شاد، وصل سے ناشاد
کیا طبیعت جگر نے پائی ہے

☆☆☆

پرائے ہاتھوں میں جینے کی ہوس کیا؟
نشین ہی نہیں تو پھر قفس کیا؟
مکان و لا مکان سے بھی گزر جا
فضائے شوق میں پروازِ خس کیا؟
کرم صیاد کے صد ہا ہیں، پھر بھی
فراغِ خاطر اہل قفس کیا؟

محبت سر فروشی، جاں سے پیاری
محبت میں خیال پیش و پس کیا؟
اجل خود زندگی سے کانتی ہے
اجل کی زندگی پر دسترس کیا؟
زمانے پر قیامت بن کے چھا جا
بنا بیٹھا ہے طوفاں در نفس کیا؟
نفس سے ہے اگر بیزار بلبل
تو پھر یہ شغلِ تزئینِ نفس کیا؟
لہو آتا نہیں کھنچ کر مژہ تک
نہ آئے گی بہار آب کے برس کیا؟

☆☆☆

وہ کافر آشنا، نا آشنا یوں بھی ہے اور یوں بھی
ہماری ابتدا تا انتہا یوں بھی ہے اور یوں بھی
تعجب کیا اگر رسم و فایوں بھی ہے اور یوں بھی
کہ حُسن و عشق کا ہر مسئلہ یوں بھی ہے اور یوں بھی
کہیں ذرہ، کہیں صحرا، کہیں قطرہ، کہیں دریا
محبت اور اُس کا سلسلہ یوں بھی ہے اور یوں بھی
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں ایک مقصد میری ہستی کا
بتاؤں کیا کہ میرا مدعا یوں بھی ہے اور یوں بھی
ہم اُن سے کیا کہیں وہ جانیں اُن کی مصلحت جانے
ہمارا حال دل تو بر ملا یوں بھی ہے اور یوں بھی

نہ پا لینا تیرا آسان نہ کھو دینا تیرا ممکن
مُصیبت میں یہ جانِ مُبتلا یوں بھی ہے اور یوں بھی

☆☆☆

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
لہروں سے کھیلتا ہوا، لہرا کے پی گیا
بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توبہ تاڑ کے، تھرا کے پی گیا
زاہد، یہ میری شوٹی رندانہ دیکھنا!
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا
سر مستی ازل مجھے جب یاد آ گئی
دنیاۓ اعتبار کو ٹھکرا کے پی گیا
آزردگیِ خاطرِ ساقی کو دیکھ کر
مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا
اے رحمتِ تمام! مری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا
پیتا بغیرِ اذن، یہ کب تھی مری مجال
در پردہ چشمِ یار کی شہ پا کے پی گیا
اس جانِ مے کدہ کی قسم، بارہا جگر!
کل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

☆☆☆

جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

ہائے وہ کیونکر دل بہلائے
 غم بھی جس کو راس نہ آئے
 ضد پر عشق اگر آ جائے
 پانی چھڑکے، آگ لگائے
 دل پہ کچھ ایسا وقت پڑا ہے
 بھاگے لیکن راہ نہ پائے
 کیسا مجاز اور کیسی حقیقت؟
 اپنے ہی جلوے، اپنے ہی سائے
 جھوٹی ہے ہر ایک مسرت
 روح اگر تسکین نہ پائے
 کارِ زمانہ جتنا جتنا
 بنتا جائے، بگڑتا جائے
 ضبطِ محبت، شرطِ محبت
 جی ہے کہ ظالم اٹا آئے
 حسن وہی ہے حسن جو ظالم
 ہاتھ لگائے ہاتھ نہ آئے
 نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو
 روح سنے اور روح سنائے
 راہ جنوں آسان ہوئی ہے
 زلف و مژہ کے سائے سائے

☆☆☆

نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا

ادائے عشق کو رسمِ وفا نے لوٹ لیا
 نہ پوچھو شومی تقدیرِ خانہ بربادی
 جمالِ یار کہاں نقشِ پا نے لوٹ لیا
 دل تباہ کی روداد، اور کیا کہیے
 خود اپنے شہر کو فرماں روا نے لوٹ لیا
 زباں نموش، نظر بیقرار، چہرہ فق
 تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا
 نہ اب خودی کا پتہ ہے نہ بخودی کا جگر
 ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

☆☆☆

نہ تاب مستی، نہ ہوش ہستی، کہ شکرِ نعمت ادا کریں گے
 خزاں میں جب ہے یہ اپنا عالم، بہار آئی تو کیا کریں گے
 ہر ایک غم کو فروغ دے کر یہاں تک آراستہ کریں گے
 وہی جو رہتے ہیں دور ہم سے، خود اپنی آغوش وا کریں گے
 جدھر سے گزریں گے سرفروشانہ کارنامے سنا کریں گے
 وہ اپنے دل کو ہزار روکیں مری محبت کو کیا کریں گے
 نہ شکرِ غم زیر لب کریں گے نہ شکوہ بر ملا کریں گے
 جو ہم پہ گزرے گی دل ہی دل میں کہا کریں گے سنا کریں گے
 یہ ظاہری جلوہ ہائے رنگیں فریب کب تک دیا کریں گے
 نظر کی جو کر سکے نہ تسکین وہ دل کی تسکین کیا کریں گے
 وہاں بھی آہیں بھرا کریں گے، وہاں بھی نالے کیا کریں گے
 جنہیں ہے تجھ سے ہی صرف نسبت وہ تیری جنت کو کیا کریں گے

نہیں ہے جن کو مجال ہستی سوائے اس کے وہ کیا کریں گے
کہ جس زمیں کے ہیں بسنے والے اسی کو رسوا کیا کریں گے
ہم اپنی کیوں طرز فکر چھوڑیں ہم اپنی کیوں وضع خاص بدلیں
کہ انقلابات نو بہ نو تو ہوا کیے ہیں ہوا کریں گے

☆☆☆

پیوست دل میں جب ترا تیر نظر ہوا
کس کس ادا سے شکوہ درد جگر ہوا
کچھ داغ دل سے تھی مجھے امید عشق میں
سو رفتہ رفتہ وہ بھی چراغِ سحر ہوا
تھم تھم کے اُن کے کان میں پہنچی صدائے دل
اُڑ اُڑ کے رنگِ چہرہ مرا نامہ بر ہوا
سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ فراق
دامن میں پھر معاملہ چشمِ تر ہوا
رگ رگ نے صدقے کر دیا سرمایہ شکیب
اللہ! کس کا خانہ دل میں گزر ہوا
فریاد کیسی؟ کس کی شکایت؟ کہاں کا حشر؟
دنیا ادھر کی ٹوٹ پڑی وہ جدھر ہوا
وارفتگی شوق کا اللہ رے کمال!
جو بے خبر ہوا وہ بڑا بانجر ہوا
حسرت اُس ایک طائرِ بے کس پر، اے جگر
جو فصلِ گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا

☆☆☆

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جس رنگ میں دیکھا تجھے یکتا نظر آیا
جب اُس رخ پر نور کا جلوہ نظر آیا
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا
یہ حسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں
دنیا نظر آئی مجھے، تو کیا نظر آیا
اک سرخوشی عشق ہے، اک بے خودی شوق
آنکھوں کو، خدا جانے، مری کیا نظر آیا
قربان تری شانِ عنایت کے دل و جاں
جب آنکھ کھلی، قطرہ بھی دریا نظر آیا
جب دیکھ نہ سکتے تھے تو دریا بھی تھا قطرہ
اس کم نگہی پر مجھے کیا کیا نظر آیا
ہر رنگ ترے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا
ہر نقش ترا نقشِ کف پا نظر آیا
آنکھوں نے دکھا دی جو ترے غم کی حقیقت
عالم مجھے سارا تہ و بالا نظر آیا
ہر جلوے کو دیکھا ترے جلووں سے منور
ہر بزم میں تو انجمن آرا نظر آیا

☆☆☆

تیرا تصور شب ہمہ شب
خلوت غم بھی بزم طرب

دعوی شوق اور شکوہ بلب
 شرم دل آرام طلب
 باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک
 تیری طلب یا اپنی طلب
 آ ہی گیا اک مست شباب
 شیشہ بدست و نغمہ بلب
 بیت گئی، جو دل پہ نہ پوچھ
 ہجر کی شب اور آخر شب
 حسن مکمل جذب و گریز
 عشق مسلسل ترک و طلب
 ترک طلب اور اطمینان
 دیکھ تو میرا حسن طلب

☆☆☆

مجھے ہلاک فریب مجاز رہنے دے
 نہ چھیڑ او نگہ امتیاز رہنے دے
 یہ بات کیا کہ حقیقت وہی مجاز وہی
 مجاز ہے تو پھر اس کو مجاز رہنے دے
 یہ خانقاہ نہیں پی بھی جا تو اے زاہد
 یہ میکدہ ہے یہاں اس کو مجاز رہنے دے
 گزرتی ہے جو دل عشق پر نہ پوچھ جگر
 یہ خاص راز محبت ہے راز رہنے دے

☆☆☆

ہزاروں قربتوں پر یوں مرا مجبور ہو جانا
 جہاں سے چاہنا ان کا وہیں سے دور ہو جانا
 نقاب روئے نادیدہ کا از خود دور ہو جانا
 مبارک اپنے ہاتھوں حسن کو مجبور ہو جانا
 سراپا دید ہو کر غرق موج نور ہو جانا
 ترا ملنا ہے خود ہستی سے اپنی دور ہو جانا
 نہ دکھلائے خدا، اے دیدہ تر دل کی بربادی
 جب ایسا وقت آئے پہلے تو بے نور ہو جانا
 جو کل تک لغزش پائے طلب مسکراتے تھے
 وہ دیکھیں آج ہر نقش قدم کا طور ہو جانا
 محبت کیا ہے، تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں؟
 ترا مجبور کر دینا، مرا مجبور ہو جانا
 محبت عین مجبوری سہی لیکن یہ کیا باعث
 مجھے باور نہیں آتا مرا مجبور ہو جانا
 نگاہ ناز کو تکلیف جنبش تا کجا آخر
 مجھی پر منحصر کر دو مرا مجبور ہو جانا
 جگر وہ حسن کیسوئی کا منظر یاد ہے اب تک
 نگاہوں کا سمٹنا اور ہجوم نور ہو جانا

☆☆☆

تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی
 وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی
 کوئی بڑھے نہ بڑھے ہم تو جان دیتے ہیں
 پھر ایسی چشم توجہ کوئی ہوئی نہ ہوئی

فسردہ خاطری عشق اے معاذ اللہ
خیال یار سے بھی کچھ شکستگی نہ ہوئی
تری نگاہ کرم کو بھی آزما دیکھا
اذیتوں میں نہ ہوئی تھی کچھ کمی نہ ہوئی
صبا یہ ان سے ہمارا پیام کہہ دینا
گئے ہو جب سے یہاں صبح و شام ہی نہ ہوئی
ادھر سے بھی ہے سوا کچھ ادھر کی مجبوری
کہ ہم نے آہ تو کی ان سے آہ بھی نہ ہوئی
خیال یار سلامت تجھے خدا رکھے
ترے بغیر کبھی گھر میں روشنی نہ ہوئی
گئے تھے ہم بھی جگر جلوہ گاہِ جانان میں
وہ پوچھتے ہی رہے ہم سے بات بھی نہ ہوئی

☆☆☆

ستم کوشیاں ہیں، ستم کاریاں ہیں
بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں
چمن سوز، گلشن کی گلکاریاں ہیں
یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں
نہ بے ہوشیاں اب، نہ ہشیاریاں ہیں
محبت کی تنہا فسوں کاریاں ہیں
نہ وہ مستیاں ہیں، نہ سرشاریاں ہیں
خودی کا ہی احساس خود داریاں ہیں
محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے
محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں

نگاہ تجسس نے دیکھا جہاں تک
پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں
تجلی سے کہہ دو ذرا ہاتھ روکے
بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں
نہ آزاد دل ہیں، نہ بے قید نظریں
گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں
نہ ذوق تخیل، نہ ذوق تماشا
محبت ہے اب اور بے زاریاں ہیں
تغافل ہے اک شان محبوب لیکن
تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں
کہاں میں، کہاں تازہ اشعارِ رنگیں
تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں
ازل سے ہے صرف دُعا ذرہ ذرہ
خدا جانے کیا کچھ طلبکاریاں ہیں
بچھے جارہے ہیں سب ہی دیدہ و دل
تری آمد آمد کی تیاریاں ہیں
قدم ڈمگائے، نظر بہکی بہکی
جوانی کا عالم ہے، سرشاریاں ہیں
جگر، زندگی لطف سے کٹ رہی ہے
غم آزاریاں ہیں، جنوں کاریاں ہیں
کہاں پھر یہ ہستی، کہاں ایسی ہستی
جگر کی جگر تک ہی میخواریاں ہیں

☆☆☆

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
بھول جاتا ہوں میں ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے
آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے
مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے
کاروبار جہاں سنوارتے ہیں
ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے

☆☆☆

اوس پڑے بہار پر، آگ لگے کنار میں
تم جو نہیں کنار میں، لطف ہی کیا بہار میں
اس پہ کرے خدا رحم گردشِ روزگار میں
اپنی تلاش چھوڑ کر جو ہے تلاشِ یار میں
ہم کہیں جانے والے ہیں دامنِ عشق چھوڑ کر
زیست تیرے حضور میں، موت تیرے دیار میں

☆☆☆

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ ساز بے صدا ہوگا

ہمیں معلوم ہے ہم سے سنو محشر میں کیا ہوگا
سب اس کو دیکھتے ہونگے، وہ ہم کو دیکھتا ہوگا
جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہوگا، فیصلہ ہوگا
یہ کیا کم ہے، ہمارا اور ان کا سامنا ہوگا
ازل ہو یا ابد، دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں
جدھر نظریں اٹھاؤ گے، یہی اک سلسلہ ہوگا
جگر کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامنِ حضرت
شکایت ہو کہ شکوہ جو بھی ہوگا، بر ملا ہوگا

☆☆☆

تو بھی او نا آشنائے درد دل
کاش ہوتا بتلائے درد دل
درد دل میرے لئے گر ہے تو ہو
میں نہیں ہر گز برائے درد دل
مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کمی
آپ ہی دے لیں سزائے درد دل
کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ غرور
دیکھنا شان عطاءئے درد دل
درد دل! غیرت تیری کیا ہو گئی
ان لبوں پر اور ہائے درد دل !

☆☆☆

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں، انہیں ہوش نہیں
میکدہ ساز ہوں میں، میکدہ بر ہوش نہیں

کونسا جلوہ یہاں آتے ہی بے ہوش نہیں
دل مرا دل ہے، کوئی ساغر سر جوش نہیں
حسن سے عشق جدا ہے نہ جدا عشق سے حسن
کونسی شے ہے، جو آغوش در آغوش نہیں؟
مٹ چکے ذہن سے سب یاد گذشتہ کے نقوش
پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں
کبھی ان مدبھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام
آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں!
عشق گر حسن کے جلووں کا ہے مرہون کرم
حسن بھی عشق کے احساں سے سبکدوش نہیں
موتی تسبیح تو سب ہیں مگر ادراک کہاں
زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں
مل کے اک بار گیا تو ہے کوئی، جس سے جگر
مجھ کو یہ وہم ہے جیسے وہ ہر آغوش نہیں

☆☆☆

شمشیر حسن و عشق کا بسمل بنا دیا
تم نے تو مجھ کو پیار کے قابل بنا دیا
ان شاعران دہر پہ ہو عشق کی ہی مار
اک پیکر جمیل کو قاتل بنا دیا
دکھلا کے ایک جلوہ سرا پائے حسن کا
آنکھوں کو اعتبار کے قابل بنا دیا
دونوں جہاں تو اپنی جگہ پر ہیں برقرار
کیا چیز تھی کہ جس کو مرا دل بنا دیا

☆☆☆

محبت کی محبت تک ہی جو دنیا سمجھتے ہیں
خدا جانے وہ کیا سمجھے ہوئے ہیں، کیا سمجھتے ہیں
جمال رنگ و بو تک حسن کی دنیا سمجھتے ہیں
جو صرف اتنا سمجھتے ہیں، وہ آخر کیا سمجھتے ہیں
مے و مینا کے پردے ان کو دھوکا دے نہیں سکتے
ازل کے دن سے جو راز مے و مینا سمجھتے ہیں
خبر اس کی نہیں ان خام کاران محبت کو
اسی کو دکھ بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں
فضائے عجب ہو، یا قیس عامر، اے جگر! ہم تم
جو کچھ بھی ہے اسے عکس رخ لیلیٰ سمجھتے ہیں

☆☆☆

مدت میں وہ پھر تازہ ملاقات کا عالم
خاموش اداؤں میں وہ جذبات کا عالم
اللہ رے وہ شدت جذبات کا عالم
کچھ کہہ کے وہ بھولی ہوئی ہر بات کا عالم
عارض سے ڈھلکتے ہوئے شبنم کے وہ قطرے
آنکھوں سے جھلکتا ہوا برسات کا عالم
وہ نظروں ہی نظروں میں سوالات کی دنیا
وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں جوابات کا عالم

☆☆☆

نوید بخشش عصیاں سے شرمسار نہ کر
گناہ گار کو یا رب! گناہ گار نہ کر
نظر ملی ہے، تو اس کو بہار ساز بنا
نظر کو مائل رنگینی بہار نہ کر
بہار اپنی جگہ پر سدا بہار رہے
یہ چاہتا ہے تو تجزیہ بہار نہ کر

☆☆☆

نہ راہ زن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا
ادائے عشق کو رسم وفا نے لوٹ لیا
نہ پوچھو شومی تقدیر خانہ بربادی
جمال یار کہاں، نقش پا نے لوٹ لیا
دل تباہ کی روداد اور کیا کہیے
خود اپنے شہر کو فرمانروا نے لوٹ لیا
زباں خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق
تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا
نہ اب خودی کا پتہ ہے نہ بیخودی کا جگر
ہر ایک لطف کو لطف خدا نے لوٹ لیا

☆☆☆

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا
دل میرا ڈوبا کیا، اچھا کیا
حسن سے بھی دل کو بے پروا کیا
کیا کیا اے عشق! تو نے کیا کیا

تو نے سو سو رنگ سے پردا کیا
دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا
وہ بھی نکلی اک شعاع برق حسن
میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا
لذت نا کامیابی، الاماں!
تو نے ہر امروز کو فردا کیا
اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار
اس نے بھی انداز دل پیدا کیا
ان کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی
جس طرف دیکھا کیا، دیکھا کیا
مجھ سے قائم ہیں جنوں کی عظمتیں
میں نے صحرا کو جگر صحرا کیا

☆☆☆

ایک رنگیں نقاب نے مارا
حُسن بن کر حجاب نے مارا
جلوہ آفتاب کیا کیئے
سایہ آفتاب نے مارا
اپنے سینے ہی پر پڑا اکثر
تیر جو اضطراب نے مارا
نغمہ شوق و دعویٰ دیدار
اس حجاب الحجاب نے مارا
ہم نہ مرتے ترے تغافل سے

پریش بے حساب نے مارا
لذت دید بے جمال نہ پوچھ
درد بے اضطراب نے مارا
چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا
اس ادائے حجاب نے مارا
حشر تک ہم نہ مرنے والوں کو
مرگِ نا کامیاب نے مارا
پاتے ہی اک اشارہ نازک
دم نہ پھر اضطراب نے مارا
دل کہ تھا جانِ زیست آہ جگر
اسی خانہ خراب نے مارا

☆☆☆

کام آخر جذبہ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا، اُن کو پیار آ ہی گیا
جب نگاہیں اُٹھ گئیں، اللہ رے معراج شوق
دیکھتا کیا ہوں وہ جانِ انتظار آ ہی گیا
ہائے یہ حسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بو
میں یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا
ہاں سزا دے اے خدائے شوق، اے توفیقِ غم
پھر زبانِ بے ادب پر ذکرِ یار آ ہی گیا
اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدہ فردا پہ میں
در حقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا

ہائے کافر دل کی یہ کافر جنوں انگیزیاں
تم کو پیار آئے نہ آئے، مجھ کو پیار آ ہی گیا
درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے
دفعاً پردہ اُٹھا اور پردہ دار ہی آ گیا
دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار
بال بکھرائے کوئی مستانہ وار آ ہی گیا
جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

☆☆☆

ملا کے آنکھ نہ محرومِ ناز رہنے دے
تجھے قسم جو مجھے پاک باز رہنے دے
میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ پر
یہ چشمِ مست ابھی نیم باز رہنے دے
گلے سے تیغِ ادا کو جدا نہ کر قاتل!
ابھی یہ منظرِ راز و نیاز رہنے دے
یہ تیر ناز ہیں تو شوق سے چلائے جا
خیالِ خاطر اہلِ نیاز رہنے دے
بجھا نہ آتشِ فرقتِ کرم کے چھینٹوں سے
دلِ جگر کو مجسمِ گداز رہنے دے

☆☆☆

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سمار ہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

وہی قیامت ہے قد بالا، وہی ہے صورت وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسم، وہی ترنم
میں نقش حرام بنا ہوا ہوں، وہ نقش حیرت بنا رہے ہیں
خرام رنگیں، نظام رنگیں، کلام رنگیں، پیام رنگیں
قدم قدم پر، روش روش پر، نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
شباب رنگیں، جمال رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں
تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر
سنجھل سنجھل کر، سمٹ سمٹ کر سب ایک مرکز پر آ رہے ہیں
بہار رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا
تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں
شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے، نظر سے مستی اُبل رہی ہے
چھلک رہی ہے، اچھل رہی ہے، پئے ہوئے ہیں پلا رہے ہیں
خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں، وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں
خرام مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاک مستی بنا رہے ہیں
وہ روئے رنگیں وہ موجِ نسیم کہ جیسے دامنِ گل پہ شبنم
یہ گرمیِ حسن کا ہے عالم، عرقِ عرق میں نہا رہے ہیں
یہ مست بلبل بہک رہی ہے، قریبِ عارض چمک رہی ہے
گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے، وہ دستِ رنگیں بڑھا رہے ہیں
یہ موجِ دریا، یہ ریگ صحرا، یہ غنچہ و گل یہ ماہ و انجم
ذرا جو وہ مسکرا دیئے ہیں، یہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں

فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
سکوتِ نغمہ بنا ہوا ہے، وہ جیسے کچھ گنگنا رہے ہیں
اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، رہے گا لیکن یہ نقشِ دل پر
ہم ان کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں
ذرا جو دم بھر کو آنکھ جھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی تجلی
طلسم صورت مٹا رہے ہیں، جمال معنی بنا رہے ہیں

☆☆☆

سن تو اے دل یہ برہی کیا ہے؟
آج کچھ درد میں کمی کیا ہے؟
دیکھ لو! رنگِ روئے ناکامی!
یہ نہ پوچھو، کہ بے بسی کیا ہے
اپنی ناکامی طلب کی قسم!!
عین دریا ہے، تشنگی کیا ہے
جسم محدود، روح لا محدود
پھر یہ اک ربطِ باہمی کیا ہے
اے فلک! اب تجھے تو دکھلا دوں
زورِ بازوئے بے کسی کیا ہے
ہم نہیں جانتے محبت میں!
رنج کیا چیز ہے، خوشی کیا ہے
اک نفسِ خلد، اک نفسِ دوزخ
کوئی پوچھے یہ زندگی کیا ہے؟

☆☆☆

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے
اور چاہیں کہ چھپا لیں تو چھپائے نہ بنے
ہائے بے چارگی عشق کہ اس محفل میں
سر جھکائے نہ بنے، آنکھ اٹھائے نہ بنے
یہ سمجھ لو کہ غم عشق کی تکمیل ہوئی
ہوش میں آ کے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے
کس قدر حُسن بھی مجبور کشاکش ہے کہ آہ
منہ چھپائے نہ بنے، سامنے آئے نہ بنے
ہائے وہ عالم پر شوق کہ جس وقت جگر
اُس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے

☆☆☆

اگر شامل نہ درپردہ کسی کی آرزو ہوتی
تو پھر اے زندگی ظالم، نہ میں ہوتا، نہ تُو ہوتی
اگر حائل نہ اُس رخ پر نقابِ رنگ و بو ہوتی
کسے تاب نظر رہتی، مجالِ آرزو ہوتی؟
نہ اک مرکز پہ رُک جاتی، نہ یوں بے آبرو ہوتی
محبت جُسٹو تھی، جُسٹو ہی جُسٹو ہوتی
ترا ملنا تو ممکن تھا، مگر اے جانِ محبوبی!
مرے نزدیک تو بین مذاق جستجو ہوتی
نگاہِ شوق اُسے بھی ڈھال لیتی اپنے سانچے میں
اگر اک اور بھی دنیا ورائے رنگ و بو ہوتی

☆☆☆

وہ جو روٹھیں یوں منانا چاہیے
زندگی سے روٹھ جانا چاہیے
ہمتِ قاتل بڑھانا چاہیے
زیرِ خنجر مُسکرانا چاہیے
زندگی ہے نامِ جہد و جنگ کا
موت کیا ہے، بھول جانا چاہیے
ہے انہیں دھوکوں سے دل کی زندگی
جو حسیں دھوکا ہو، کھانا چاہیے
لذتیں ہیں دشمنِ اوجِ کمال
کلفتوں سے جی لگانا چاہیے
ان سے ملنے کو تو کیا کہیے جگر!
خود سے ملنے کو زمانہ چاہیے

☆☆☆

یادش بخیر! جب وہ تصور میں آ گیا
شعر و شباب و حسن کا دریا بہا گیا
جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آ گیا
خود بن گیا حسین، دو عالم پہ چھا گیا
جو دل کا راز تھا اسے کچھ دل ہی پا گیا
وہ کر سکے بیاں، نہ ہمیں سے کہا گیا
ناصحِ فسانہ اپنا ہنسی میں اڑا گیا
خوش فکر تھا کہ صاف یہ پہلو بچا گیا
اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

دل بن گیا نگاہ، نگہ بن گئی زباں
آج اک سکوتِ شوق قیامت ہی ڈھا گیا
میرا کمالِ شعر بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانے پہ چھا گیا

☆☆☆

دل بہلنے کی شبِ غم یہی صورت ہو گی
آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہو گی
آپ کے درد میں بھی آپ کی سیرت ہو گی
بات میں بات، نزاکت میں نزاکت ہو گی
آتشِ دوزخِ ہجراں ہے قیامت، لیکن
تم جو چاہو گے تو یہ بھی مجھے جنت ہو گی
جمع کرتی رہے آمادگیِ ذوقِ فنا!
کام آئے گی، اگر دل میں حرارت ہو گی
کہنے سننے کی غمِ عشق میں حاجت ہی نہیں
آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہو گی

☆☆☆

محبت میں جگر گزرے ہیں ایسے بھی مقام اکثر
کہ خود لینا پڑا ہے اپنے دل سے انتقام اکثر
کہاں حسنِ تمامِ یاد و تکلیفِ کرمِ کوشی؟
بدل دیتی ہے دنیا اک نگاہِ ناتمام اکثر
مری رندی بھی کیا رندی، مری مستی بھی کیا مستی؟
مری توبہ بھی بن جاتی ہے مے خانہ بجام اکثر

محبت نے اسے آغوش میں بھی پا لیا آخر
تصور ہی میں رہتا تھا جو اک محشرِ خرام اکثر
جگر ایسا بھی دیکھا ہے کہ ہنگامِ سیہ مستی
نظر سے چھپ گئے ہیں ساقی و مینا و جام اکثر

☆☆☆

جب کبھی چھیڑا جنوں نے دیدہٴ خوں بار کو
بھر دیا پھولوں سے ہم نے دامنِ کھسار کو
ٹھیس لگ جائے نہ اُن کی حسرتِ دیدار کو
اے ہجومِ غم! سنبھلنے دے ذرا بیمار کو
فکر ہے زاہد کو حور و کوثر و تسنیم کی
اور ہم جنت سمجھتے ہیں ترے دیدار کو
دیکھنے والے نگاہِ مست ساقی کی کبھی
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغرِ سرشار کو
ہر قدم پر، ہر روش پر، ہر ادا پر، ہر جگہ
دیکھنا پڑتا ہے انداز، نگاہِ یار کو
لاکھ سمجھایا جگر کو، ایک بھی مانی نہ بات
دھُن لگی تھی کوچہٴ قاتل کی میرے یار کو

☆☆☆

کسی نے پھر نہ سنا درد کے فسانے کو
مرے نہ ہونے سے راحت ہوئی زمانے کو
اب اس میں جان مری جائے یا رہے، صیادا!
بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو

چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریب ہستی کا
لحد تک آئی اجل بھی مرے منانے کو
فلک! ذرا اس بے بسی کی داد تو دے
قفس میں بیٹھ کے روتا ہوں آشیانے کو
وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو
قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے جگر
لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو

☆☆☆

یہ مزا تھا، خلد میں بھی نہ مجھے قرار ہوتا
جو وہاں بھی آنکھ کھلتی، یہی انتظار ہوتا
میں جنونِ عشق میں یوں ہمہ تن فگار ہوتا
کہ مرے لہو سے پیدا اثرِ بہار ہوتا
میرے رشکِ بے نہایت کو نہ پوچھ میرے دل سے
تجھے تجھ سے بھی چھپاتا، اگر اختیار ہوتا
مری بے قراریاں ہی تو ہیں اس کی وجہ تسکین
جو مجھے قرار ہوتا، تو وہ بے قرار ہوتا
جسے چشمِ شوق میری کسی طرح دیکھ پاتی
کبھی حشر تک وہ جلوہ نہ پھر آشکار ہوتا
یہ دل اور یہ بیانِ غمِ عشق بے محابا
اگر آپ طرح دیتے، مجھے ناگوار ہوتا

کبھی یہ ملال، اس کا نہ دُکھے کسی طرح دل
کبھی یہ خیال، وہ بھی یونہی بے قرار ہوتا
مرا حال ہی جگر کیا، وہ مریضِ عشق ہوں میں
کہ وہ زہر بھی جو دیتا، مجھے سازگار ہوتا

☆☆☆

دل میں کسی کے راہ کیے جا رہا ہوں میں
کیتنا حسین گناہ کیے جا رہا ہوں میں
دنیاۓ دل تباہ کئے جا رہا ہوں میں
صرف نگاہ و آہ کیے جا رہا ہوں میں
فردِ عمل سیاہ کیے جا رہا ہوں میں
رحمت کو بے پناہ کیے جا رہا ہوں میں
ایسی بھی اک نگاہ کیے جا رہا ہوں میں
ذروں کو مہر و ماہ کیے جا رہا ہوں میں
مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند
خود حُسن کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں
دفتر ہے ایک معنی بے لفظ و صوت کا
سادہ سی اک نگاہ کیے جا رہا ہوں میں
آگے قدم بڑھائیں، جنہیں سوچتا نہیں
روشن چراغِ راہ کیے جا رہا ہوں میں
معصومیِ جمال کو بھی جن پہ رشک ہے
ایسے بھی کچھ گناہ کیے جا رہا ہوں میں
تنقیدِ حسنِ مصلحتِ خاصِ عشق ہے
یہ جرمِ گاہ گاہ کیے جا رہا ہوں میں

اٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اس کے رو برو
نادیدہ اک نگاہ کیے جا رہا ہوں میں
گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں
یوں زندگی گزار رہا ہوں میں تیرے بغیر!
جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں
مجھ سے ادا ہوا ہے جگر جستجو کا حق
ہر ذرے کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں

☆☆☆

ہم کو مٹا سکے ، یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے ، زمانے سے ہم نہیں
بے فائدہ الم نہیں ، بے کار غم نہیں
توفیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں
میری زباں پہ شکوہ اہل ستم نہیں
مجھ کو جگا دیا ، یہی احسان کم نہیں
یارب ہجومِ درد کو دے اور وسعتیں
دامن تو کیا ابھی ، میری آنکھیں بھی نم نہیں
شکوہ تو ایک چھیڑ ہے ، لیکن حقیقتاً
تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں
اب عشق اس مقام پہ ہے جستجو نور
سایہ نہیں جہاں، کوئی نقشِ قدم نہیں

ملتا ہے کیوں مزہ ستم، روزگار میں! !
تیرا کرم بھی خود جو شریکِ سفر نہیں
زاہد کچھ اور ہو نہ ہو مے خانے میں مگر
کیا کم یہ ہے کہ فتنہ دیر و حرم نہیں
مرگ جگر پر کیوں تیری آنکھیں ہیں اشک ریز؟
اک سانحہ سہی، مگر اتنا اہم نہیں

☆☆☆

غم سے چھوٹوں، تو ادھر دیکھوں میں
دل کو رولوں تو جگر دیکھوں میں
گلہ یاس اثر دیکھوں میں
دامنِ یار بھی تر دیکھوں میں
آشیاں کے جو اٹھا لوں تنکے
اپنے ٹوٹے ہوئے پر دیکھوں میں
داغ ہی داغ نظر آتے ہیں
کس طرح قلب و جگر دیکھوں میں
دم گھٹا جاتا ہے، اے دستِ جنوں!
چاکِ دامانِ سحر دیکھوں میں
نہ وہ محفل ہے، نہ وہ پروانے
خاک، اے شمعِ سحر، دیکھوں میں
نزع میں ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں
کاش! انہیں ایک نظر دیکھوں میں
دلِ دیوانہ، یہ قسمت میری
کہ تجھے خاک بسر دیکھوں میں

چھوٹ جاؤں جو غم ہستی سے
بھول کر بھی نہ ادھر دیکھوں میں

☆☆☆

لالہ و گل کو دیکھتے کیا یہ بہار دیکھ کر
رہ گئے بے خودی میں ہم صورتِ یار دیکھ کر
ہائے، وہ جوشِ ربط و ضبط، ہائے، یہ لائق!
اشک بھر آئے آنکھ میں کوچہٗ یار دیکھ کر
یاد کسی کی آہ، کیا کہہ گئی آ کے کان میں
زورِ جنوں سوا ہوا جوشِ بہار دیکھ کر
شوق نے چٹکیاں سی لیں، حسرتِ دل چل گئی
میری طرف بڑھا ہوا دامنِ یار دیکھ کر
ان سے بھی ہو سکا نہ ضبط، ان کو بھی رحم آ گیا
پائے برہنہ دیکھ کر، جسمِ فگار دیکھ کر
تھی یہ ہوس کہ دیکھتے خال و خط بہارِ حسن
آنکھیں ہی چوندھیا گئیں جلوہٗ یار دیکھ کر

☆☆☆

میرا جو حال ہو سو ہو، برقِ نظر گرائے جا
میں یونہی نالہ کش رہوں، تُو یونہی مسکرائے جا
دل کے ہر ایک گوشہ میں آگ سی اک لگائے جا
مطربِ آتشِ نوا، ہاں اسی دھن میں گائے جا
لحظہ بہ لحظہ، دم بہ دم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا

تشنہٗ حسنِ ذات ہوں، تشنہٗ لبی بڑھائے جا
جتنی بھی آج پی سکوں، عذر نہ کر، پلائے جا
مستِ نظر کا واسطہ، مستِ نظر بنائے جا
لطف سے ہو کہ قہر سے، ہو گا کبھی تو روبرو
اس کا جہاں پتہ چلے، شور وہیں مچائے جا
عشق کو مطمئن نہ رکھ حسن کے اعتماد پر
وہ تجھے آزما چکا، تو اسے آزمائے جا

☆☆☆

کیا آگیا خیالِ دل بے قرار میں
خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں
محشر میں عرضِ شوق کی امید کیا کروں
دل ہی تو ہے، رہا نہ رہا اختیار میں
دستِ جنونِ عشق کی گل کاریاں نہ پوچھ
ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں
صورت دکھا کے پھر مجھے بے تاب کر دیا
اک لطف آ چلا تھا غمِ انتظار میں
رگِ رگ میں دل ہے، دل میں تڑپِ دردِ عشق کی
محشر بنا ہوا ہوں تمنائے یار میں
تھم تھم کے دل سے چھیڑ ہو، تیر نگاہ یار!
کیا لطف، جب ہمیں نہ رہے اختیار میں

☆☆☆

ستم کامیاب نے مارا
کرم لاجواب نے مارا
خود ہوئی گم، ہمیں بھی کھو بیٹھی
نگہ بازیاب نے مارا
زندگی تھی حجاب کے دم تک
برہی حجاب نے مارا
عشق کے ہر سکونِ آخر کو
حسن کے اضطراب نے مارا
خود نظر بن گئی حجابِ نظر
ہائے اس بے حجاب نے مارا
میں ترا عکس ہوں کہ تُو میرا
اس سوال و جواب نے مارا
کوئی پوچھے کہ رہ کے پہلو میں
تیر کیا اضطراب نے مارا
بچ رہا جو تری تجلی سے
اس کو تیرے حجاب نے مارا
اب نظر کو کہیں قرار نہیں
کاوشِ انتخاب نے مارا
سب کو مارا جگر کے شعروں نے
اور جگر کو شراب نے مارا

☆☆☆

صبر کے ساتھ مرا دل بھی لیے جائیں آپ
اس قدر رحم مرے حال پہ فرمائیں آپ
دیکھئے میری تمنائوں کا احساس رہے
بارِ فردوس میں تنہا نہ چلے جائیں آپ
میری رگ رگ میں سما کر بھی یہ پردہ مجھ سے
ظلم ہے، ظلم ہے، آئینے سے شرمائیں آپ
کر دیا دردِ محبت نے مرا کام تمام
اب کسی طرح کی تکلیف نہ فرمائیں آپ
نالے کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال
کہ مری طرح نہ دل تھام کے رہ جائیں آپ

☆☆☆

اس عشق میں پورا کبھی ساماں نہیں دیکھا
دامن پہ نظر کی تو گریباں نہیں دیکھا
تازہ اثر، اے جذبہ پنہاں نہیں دیکھا
مدت ہوئی شمشیر کو عریاں نہیں دیکھا
اللہ ری، مجبوریء آدابِ محبت
گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا
بے کار گئی سعیِ محبت بھی ہماری
حاصلِ بجز اک دیدہء حیراں نہیں دیکھا
اللہ ری، مری تیز رویِ جوشِ جنوں میں
مڑ کر جو نظر کی تو بیاباں نہیں دیکھا

☆☆☆

ستم کا عدو مستحق ہو گیا
مرا دل سراپا قلق ہو گیا

سنانے چلے تھے انہیں حالِ دل
نظر ملتے ہی رنگ فق ہو گیا
جو کچھ بچ رہا تھا مرا خونِ دل
وہی آسمان پر شفق ہو گیا
چھپائے ہوئے تھے ترا راۓ عشق
مگر اب تو سینہ بھی شق ہو گیا
مری موت سن کر، کیا اُس نے ضبط
مگر رنگ چہرے کا فق ہو گیا

☆☆☆

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے، وہی فاتحِ زمانہ
یہ ترا جمالِ کامل، یہ شباب کا زمانہ
دلِ دشمنانِ سلامت، دلِ دوستانِ نشانہ
کبھی حسن کی طبیعت نہ بدل سکا زمانہ
وہی نازِ بے نیازی، وہی شانِ خسروانہ
میں ہوں اس مقام پر اب کہ فراق و وصل کیسے؟
مرا عشق بھی کہانی، ترا حسن بھی فسانہ
مری زندگی تو گزری ترے ہجر کے سہارے
مری موت کو بھی پیارے کوئی چاہیے بہانہ
ترے عشق کی کرامت، یہ اگر نہیں تو کیا ہے
کبھی بے ادب نہ گزرا مرے پاس سے زمانہ
تری دُوری و حضوری کا عجیب ہے یہ عالم
ابھی زندگی حقیقت، ابھی زندگی فسانہ

مرے ہم صفرِ بلبل، مرا تیرا ساتھ ہی کیا
میں ضمیرِ دشت و دریا، تو اسیرِ آشیانہ
میں وہ صاف ہی نہ کہہ دوں، ہے جو فرق مجھ میں تجھ میں
ترا دردِ دردِ تنہا، مرا غمِ غمِ زمانہ
ترے دل کے ٹوٹنے پر ہے کسی کو ناز کیا کیا!
تجھے اے جگر! مبارک یہ شکستِ فاتحانہ

☆☆☆

نہ اب مسکرانے کو جی چاہتا ہے
نہ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے
ستاتے نہیں وہ تو ان کی طرف سے
خود اپنے ستانے کو جی چاہتا ہے
کوئی مصلحت روک دیتی ہے ورنہ
پلٹ دیں زمانے کو، جی چاہتا ہے
تجھے بھول جانا تو ہے غیر ممکن
مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے
تو وضع کرائے عشق! چند آنسوؤں سے
بہت مسکرانے کو جی چاہتا ہے
بہت دیر تک چھپ کے تیری نظر سے
تجھے دیکھ پانے کو جی چاہتا ہے
تری آنکھ کو بھی جو بے خواب کر دے
وہ فتنہ جگانے کو جی چاہتا ہے

حسین تیری آنکھیں، حسین تیرے آنسو
یہیں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے
جگر اب تو وہ ہی یہ کہتے ہیں مجھ سے
تیرے ناز اٹھانے کو جی چاہتا ہے

☆☆☆

سب ان پہ ہیں تصدق وہ سامنے تو آئیں
اشکوں کی آرزوئیں آنکھوں کی التجائیں
اُس سے بھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادائیں
کر جائیں کام اپنا لیکن نظر نہ آئیں
اس حسن برق و ش کے دل سوختہ وہی ہیں
شعلوں سے بھی جو کھیلیں دامن کو بھی بچائیں
آلودہ خاک ہی میں رہنے دو اس کو ناصح
دامن اگر جھٹک دوں جلوے کہاں سمائیں
بیتابی محبت وجہ سکونِ غم ہے
آغوش مضطرب میں خوابیدہ ہیں بلائیں
اشعار بن کے نکلیں جو سینہ جگر سے
سب حسن یار کی تھیں بیساختہ ادائیں

☆☆☆

ہر سو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے
کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے
آیا نہ اس نالہ دل کا اثر مجھے
اب تم ملے تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے

ڈالا ہے بیخودی نے عجب راہ پر مجھے
آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے
کرنا ہے آج حضرت ناصح کا سامنا
مل جائے دو گھڑی کو تمہاری نظر مجھے
کیساں ہے حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ
اُن کی خبر نہیں ہے نہ اپنی خبر مجھے
میں دُور ہوں تو روح سخن مجھ سے کس لیے
تم پاس ہو تو کیوں نہیں آتا نظر مجھے
مستانہ کر رہا ہوں رہ عاشقی کو طے
لے جائے جذبِ شوق مرا اب جدھر مجھے
ڈرتا ہوں جلوہ رُخِ جاناں کو دیکھ کر
اپنا بنا نہ لے کہیں میری نظر مجھے
کیساں ہے حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ
ان کی خبر انہیں ہے نہ میری خبر مجھے
مرنا ہے ان کے پاؤں پہ رکھ کر سر نیاز
کرنا ہے آج قصہ غم مختصر مجھے
سینے سے دل عزیز ہے، دل سے ہو تم عزیز
سب سے مگر عزیز ہے میری نظر مجھے
میں دُور ہوں تو روئے سخن مجھ سے کس لئے
تم پاس ہو، تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے
کیا جانے قفس میں رہے کیا معاملہ
اب تک جو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے

دل لے کے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے
یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے

☆☆☆

اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب اُن کا
فصلِ حسن ہے اُن کی، موسمِ شباب اُن کا
ہم سے پوچھ اے ناصحِ دل گرفتگی اُن کی
ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالمِ پُر آب اُن کا
کیا اسی کو کہتے ہیں ربط و ضبطِ حسن و عشق
شوقِ نارسا اپنا، نازِ کامیاب اُن کا
یوں ہی کھلتے جاتے ہیں حسن و عشق کے اسرار
اک نفس سوال اپنا، اک نفس جواب اُن کا
اور کس کی یہ طاقت اور کس کی یہ جرأت
عشق آپ آڑ اپنی، حُسن خود حجاب اُن کا
عرضِ غم نہ کر اے دل دیکھ ہم نہ کہتے تھے
رہ گئے وہ "اُٹھ" کہہ کر، سُن لیا جواب اُن کا
تُو جگر جو رسوا ہے تو ہی آہ رسوا رہ
نام تو نہ کر رسوا خانماں خراب اُن کا

☆☆☆

مقاماتِ اربابِ جاں اور بھی ہیں
مکان اور بھی، لامکان اور بھی ہیں
مکمل نہیں ہے جنونِ تجسس
مسلل جہاں در جہاں اور بھی ہیں

یہیں تک نہیں عشق کی سیر گا ہیں
مہ و انجم و کہکشاں اور بھی ہیں
محبت کی منزل ہی شاید نہیں ہے
کہ جب دیکھیے امتحاں اور بھی ہیں
محبت نہیں صرف مقصودِ انساں
محبت میں کارِ جہاں اور بھی ہیں
فقط توڑ کر مطمئن ہو نہ بلبل!
قفسِ صورتِ آشیاں اور بھی ہیں
بہت دل کے حالات کہنے کے قابل
ورائے نگاہ و زباں اور بھی ہیں
نہیں منحصر کچھ مے و مے کدہ تک
مری تشنہ سامانیاں اور بھی ہیں
خوشا درسِ غیرت، زہے عشقِ تنہا
وہاں میں نہیں ہوں، جہاں اور بھی ہیں
صبا! خاکِ دل سے بچا اپنا دامن
ابھی اس میں چنگاریاں اور بھی ہیں
انہیں جب سے ہے اعتمادِ محبت
وہ مجھ سے جگر بدگماں اور بھی ہیں

☆☆☆

